حقیقت شرک

(از)

از جناب چودہری غلام احمد صاحب پرویز (ہوم ڈیپارٹمنٹ نئی دہلی)

کرسمس کی تعطیلات میں میں دہلی سے پنجاب کیطرف جا رہا تھا۔ جاڑے کی شدت۔ رات کا سفر۔ منہ سر لپیٹے اوپر کے تختے پر لیٹا ہوا تھا۔ کچھ تو غنودگی اور کچھ برق رفتار فرنٹیر میل کا شور۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد کوئی اسٹیشن قریب آیا۔ گاڑی کی رفتار کم ہونے سے شور میں قدرے تخفیف ہوئی تو یہ آواز میرے کان میں آئی۔

”تو حضرت! اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ اللہ میاں بھی یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کا نام لیوا کسی اور کا نام بھی لے“۔

”بیشک۔ میاں! کیا تم نے دنیا کے بادشاہوں کو نہیں دیکھا۔ ایک کی رعایا کسی اور کا خیال دل میں لائے۔ گردن اڑا دی جاتی ہے یا نہیں!“

”قبلہ معاف رکھئے۔ یہ تو انسانی جذبات ہیں جنھیں اللہ میاں سے منسوب کرنا کچھ بھلا معلوم نہیں ہوتا

”لاحول ولا قوۃ ......

گاڑی رکنے کے جھٹکے سے یہ آخری جملہ پورا نہ ہو سکا۔ میں نے متعجباً لحاف سے منہ باہر نکالا۔ دیکھتا ہوں تو معترض صاحب ایک نوجوان انگریزی لباس پہنے ہوئے ہیں۔ اور مجیب صاحب ایک پرانی وضع کے متشرع بزرگ۔ ہر دو حضرات اسی اسٹیشن پر اتر گئے۔

وہ تو اس بحث کو یوں ادھورا چھوڑ کر چل دیئے اور میرے لئے۔ بقول علامہ اقبال۔

دکھلا کے اک جھلک وہ تو پردے میں چھپ گئے
اور کہہ گئے نگاہ سے ڈھونڈا کرے کوئی

باقی ماندہ سفر کے زادراہ کا سامان فراہم کر گئے۔

میں نے گردوپیش نظر دوڑائی تو دیکھا کہ اجتناب شرک کے لئے عام طور پر وہی توجیہ پیش کی جاتی ہے جو ان بزرگ صاحب نے اپنے جواب میں پیش کی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ ایک شرک پر ہی کیا موقوف ہے۔ ذہن انسانی کی افتاد ہی کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ وہ ماورائے سرحد ادراک کو بھی کھینچ تان کر محسوسات کے دائرہ میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس کی چشم نظارہ جو حقیقت مستور کو لباس مجاز میں دیکھنے کی اس قدر متمنی ہے کہ وہ اس تصور کے بغیر جبین نیاز کے سجدہ ہائے بیتاب کو اذن نقوش آرائی ہی نہیں دیتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان انسانوں کو جو اپنی صفات لم یزلی سے متعارف کیا تو لامحالہ زبان بھی انسانوں کی ہی استعمال میں آئی۔ اس لئے کہ خدا اور عام انسانوں کے درمیان اور کوئی ذریعہ فہم و تفہیم نہیں ہو سکتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ محسوسات کا خوگر ذہن انسانی فوراً انسانوں کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور اس غلو و شدت سے کہ تنزیہ و تجسیم کی لامتناہی بحثیں معرض وجود میں آ گئیں اور لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ کی لم نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مالک الملک قرار دیکر زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہت کو جو اپنے اور صرف اپنے لئے مخصوص فرمایا تو انسانی ذہن نے اللہ میاں کا تصور ایک مطلق العنان، خود مختار بادشاہ کا سامنے لا کھڑا کیا۔ اور اس کی سطوت و جبروت اور شوکت و عظمت کو بھی کچھ ایسا ہی رنگ دیا گیا۔ اور اسی لئے یہ بھی قرار پا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو من دون اللہ کی غلامی سے منع فرمایا ہے، اور اس شدومد سے اس کے لئے وعید فرمائی ہے۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ دنیاوی بادشاہوں کی طرح وہ ذات ایزد متعال بھی یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کا نام لینے والا کسی اور کا خیال بھی دل میں لائے" حالانکہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کی قوت و استیلا کا راز اس جماعت کی قوت بازو میں مضمر ہوتا ہے جو اس بادشاہ کو اپنا بادشاہ

سمجھتی ہے۔ اور اس کی سلطنت کی فنا و بقا منحصر ہوتی ہے اس جماعت کی قلت و کثرت پر۔ اس لئے اس بادشاہ کو ہر وقت یہ خیال دامن گیر رہتا ہے کہ اس کی رعایا میں سے کسی کے دماغ میں کسی اور بادشاہ کا خیال نہ آجائے لیکن اس کے برخلاف اس مالک حقیقی اس احکم الحاکمین کی حکومت و سطوت انسانی دست و بازو کی رہین منت نہیں۔ اگر تمام دنیا کے انسان اس کی درگاہ صمدیت میں انقیاد و اطاعت گذاری کے طوق گردنوں میں ڈال کر سر نیاز کو خم کر دیں تو اس کی ازلی و ابدی سلطنت میں ایک ذرہ کا اضافہ نہیں ہو سکتا اور اگر تمام دنیا کے انسان اپنی اوندھی کھوپری کے تتبع کی بدولت اس بارگاہ بے نیاز سے سرکشی و تمرد اختیار کر کے راندۂ درگاہ ہو جائیں۔ تو اس کی حکومت میں ایک ذرہ بھر کی کمی نہیں آسکتی۔ اس کے ایوان سلطنت کی تحسین و تزئین میں کسی کے قشقۂ جبین کی سرخی سے کچھ رنگینی نہیں بڑھ سکتی اور سجود نیاز کی قلت سے اس کے سنگ آستان کی درخشندگی میں کچھ کمی نہیں واقع ہو سکتی۔ اس لئے کہ وہ اس وقت بھی با ایں ہمہ جبروت و سطوت مالک ملک تھا۔ جبکہ کوئی اس کا نام لینے والا مخلوق نہ ہوا تھا۔ اور اس کی سلطنت اس وقت بھی اسی شان و شوکت سے باقی رہے گی۔ جبکہ اسے پوچھنے والا کوئی انسان باقی نہ رہے گا۔

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

اس نے انسانوں کو اگر اپنی غلامی (عبودیت) کا حکم دیا ہے تو اس لئے نہیں کہ اس سے اس کی قوت و استیلا میں اضافہ ہوتا ہے۔ بلکہ محض اس لئے کہ اس میں خود انسانوں کی بھلائی کا راز مضمر ہے۔ اسلام نے تمام عبادات کی لِم اسے قرار دیا ہے کہ۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا (جاثیہ ۱۵) جس نے نیک عمل کیا تو اپنے لئے کیا۔ اور اگر برا کام کیا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (لقمان

جس نے شکر کیا اس کا فائدہ اس کی اپنی ذات کے لئے ہے اور جس نے (اس کے آگے سرِ نیاز خم کرنے سے) انکار کیا (تو اس سے اللہ کا کچھ نہیں بگڑ سکتا) وہ تو بے نیاز اور بلند و بالاتر ذات ہے۔

گویا افعالِ جوارح یا اعمالِ قلوب سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نفع یا نقصان مقصود نہیں وہ ذات انسانی اعمال کے نتائج سے بے نیاز ہے۔ ان کے نتائج تو خود انسان کی ذات کے لئے ہیں۔ دنیاوی بادشاہوں کی طرح وہ انسانی عبادت گذاریوں کا محتاج۔ اور اس کے لئے ممنونِ احسان نہیں اس نے تو نبی کریم سے فرما دیا کہ:—

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۔ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ ۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ (حجرات ۱۷)

یہ لوگ احسان دھرتے ہیں کہ اسلام قبول کرلیا؟ حالانکہ دراصل اللہ تم پر احسان کرتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی طرف رہنمائی کی (اس کا تم اقرار کروگے) اگر تم سچے ہو۔

جب اسلام کے نزدیک تمام عبادات کی یہی لم ہے۔ تو عقیدۂ توحید (جو فی الحقیقت قلب کی ایک اساسی عبادت ہے) بھی اسی اصول پر مبنی ہوگا۔ اس کا راز ہمیں انسانی خلقت کے اندر ملے گا۔

قرآن کریم نے تخلیقِ آدم کا مقصد ہی تفویضِ خلافت و نیابتِ الٰہی قرار دیا ہے۔ یعنی انسان پیدا ہی اس غرض سے کیا گیا ہے کہ وہ تمام مخلوقاتِ ارضی و سماوی سے خدمت لے اور اس کائنات پر اپنے آقا کے مقرر کردہ قوانین کے ماتحت حکومت کرے۔ اس کی شہادت میں قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ کہیں لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ سے اس کی عزت و تکریم کی طرف اشارہ ہے اور کہیں وَفَضَّلْنٰهُمْ تَفْضِیْلًا سے اس کی فضیلت و بزرگی کا اظہار مقصود ہے۔ کسی جگہ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ کے اجمال سے اس کی حکومت کی شہادت دی گئی ہے اور کہیں اس اجمال کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِيعًا   آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے۔ اس کو تمہارے تابع
(۴۵ : ۲)   فرمان کردیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ انسان اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے سامنے سرِ نیاز جھکا کر اپنے تذلّل و تعب
کا ثبوت دیگا تو وہ یا تو کوئی دوسرا انسان ہوگا یا ماورا الانسان کوئی اور مخلوق جملہ مخلوقات کے متعل
تو خالقِ حقیقی کا یہ ارشاد ہمارے سامنے موجود ہے کہ وہ پیدا ہی اس لئے کی گئی ہیں کہ انسان ان سے
ہے۔ تو جو چیزیں کسی کی خادم پیدا کیگئی ہوں انھیں مخدوم بنا لینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ اب رہے دوسر
انسان، تو پیدایش کے لحاظ سے تمام انسان ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ سو اپنے برابر کے سامنے جھکنا
انسانی خودداری کے منافی ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ انسانی عبودیت کے اظہار کے لئے اگر کوئی ہستی ہو
ہے تو وہ تمام مخلوقات سے بلند و بالا حتیٰ کہ انسانوں سے بھی اعلیٰ و ارفع ہستی ہونی چاہئے اور یہی وہ ہس
ہوسکتی ہے جس کی غلامی کا طوق انسانوں کے لئے موجبِ ذلت و رسوائی نہیں بلکہ باعثِ ہزار شرف
ہے۔ وہ ہستی جس کے ایک ارادہ سے تمام مخلوقات عدم سے وجود میں آجائے اور جس کی مشیت کے ماتح
تمام موجودات عدم میں تبدیل ہوجائے جو نیست سے ہست اور ہست سے نیست کرنے پر قادر ہو نہ کہ
خود اپنی فنا و بقا میں کسی دوسرے کے دستِ قدرت کی محتاج ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ   پوچھئے ان سے کہ جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو ان کوئی
ثُمَّ يُعِيدُهُ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ   خلقت کو عدم سے وجود میں لائے اور مارنے کے بعد
يُعِيدُهُ۔ (یونس ۳۴)   کرسکے؟ خلقت کے مبدا و معاد کا اگر اختیار ہے
اللہ کو ہے

انسان فطرۃً خوددار پیدا کیا گیا ہے لیکن اگر دنیا میں یہ اپنی خودداری کو بیچتا ہے تو صرف
کے لئے ایک جلبِ منفعت اور دوسرے دفعِ مضرت۔ اسباب و واقعات کا تجزیہ کرتے چلے جاؤ لیکن انس

خودداریوں کی شکست کے لیے یہی دو خوفناک چٹانیں نظر آئیں گی۔ خوف یا امید تاریخ کے صفحات کو الٹتے جاؤ جہاں کہیں انسان نے۔ انسان کے سامنے۔ یا دیگر مخلوقات کے حضور اپنا سر جھکایا ہے انہی دو مقناطیسی کششوں کی بدولت۔ اپنے اپنے دل کی انتہائی گہرائیوں تک نگاہ کو لے جاؤ (کہ فِىٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ)۔

جس جگہ یہ شیر نیستاں روباہ مزاج ہوتا ہے۔ وہیں یہ دونوں مہیب و خوفناک غار نظر آئیں گے۔

لیکن اگر لغزش کے یہی دونوں مقام تمام سطح ارض و سما سے کہیں اوپر لے جاکر رکھ دیے جائیں تو پھر انسانی سرفرازیوں کی وسعت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ   وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پوجا کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان
وَلَا يَنْفَعُهُمْ (یونس ۱۸)   پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔

لیجئے ـــ تھے یہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے۔

مخلوقات محکوم۔ اور انسان برابر کا۔ ضرر رسانی و منفعت بخشی کی کس میں طاقت ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ   کہیے ان لوگوں سے کہ خدا کے سوا جن کو تم معبود سمجھ رہے
لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ   ہو ان کو پکار دیکھو۔ وہ نہ آسمانوں میں کسی ذرہ بھر
وَلَا فِى الْاَرْضِ۔ (سبا ۲۲)   چیز کے مالک ہیں اور نہ زمین میں۔

یہی وہ چیز تھی کہ توحید کے واعظِ اول حضرت خلیلِ اکبر علیہ السلام کو جب ان کی قوم نے کہا تم ان بتوں کی اس طرح تکذیب کرتے ہو۔ ان کے جلال سے ڈرو تو اس شناسائے اسرارِ حقیقت نے بے خوف و خطر کہہ دیا کہ

كَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ   جن چیزوں کو تم خدا کا شریک بناتے ہو ان سے میں کیسے
اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ   ڈروں؟ حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے
عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ   اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کیا ہے جن کی شرکت کی سند

بالاَمْنِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (انعام ۔۸۲) اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری ڈرنا تو تم کو چاہئے جو خدا کے ساتھ اوروں کو شریک بناکر ایک ایک چیز سے خوف کھاتے ہو اگر تم کچھ عقل وشعور رکھتے ہو تو خود ہی سوچو کہ ہم دونوں میں سے کون بے خوف ہونے کا زیادہ حقدار ہے۔

یعنی وہ جو ان تمام چیزوں سے ڈرتا پھرے جو کچھ نفع ونقصان نہیں پہونچا سکتیں۔ یا وہ جو صرف ایک ذاتِ مطلق کا خوف دل میں رکھکر تمام دنیا کے خوف وخطر سے بے نیاز ہو جائے۔

اقوام گذشتہ وملل سابقہ کے احوال سامنے لانے سے فوراً معلوم ہو جائے گا کہ جن قوموں نے عناصر طبیعی کو اپنا خدا بنائے رکھا۔ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکیں۔

اندر، اگنی، وائیو کے پجاریوں کو دیکھئے مادی ترقیوں میں کہیں پیش پیش نظر نہیں آئیں گے۔ اور مخلوقات سے آگے بڑھکر جنھوں نے انسانوں کو اپنا معبود بنا لیا ان کی روحیں کبھی آزادی کی اس فضاے بسیط میں نہیں اڑ سکیں جو ان کا حقیقی نشیمن ومسکن تھا۔ اس لئے کہ افراد کے اعمال کی طرح اقوام کے اعمال بھی ویسے ہی نتائج پیدا کیا کرتے ہیں۔ اور ان کا جائزہ بھی اس طرح ہی لیا جایا کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے لِیَجْزِیَ قَوْمًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۔ اور ہر قوم کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا اور ہر ملت کُلُّ اُمَّۃٍ تُدْعٰی اِلٰی کِتٰبِھَا ۔ (جاثیہ ۱۴) اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلائی جائے گی۔

اس لئے ایک توحید پرست کے لئے اس قدر شاندار الفاظ میں پیش گوئی کر دی گئی کہ اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِءِیْنَ الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ ان مذاق اڑانے والوں یعنے ان لوگوں پر جنھوں نے مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ۔ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۔ (حجر ۹۵۔۹۶) خدا کے ساتھ اوروں کو بھی معبود بنا رکھا ہے ہم آپکو یقیناً غلبہ دیں گے۔ اور یہ عنقریب خود دیکھ لیں گے۔

قرآنی عقاید کا مفہوم ہی یہی ہے کہ قلب مومن سے خوف وہراس۔ امید وبیم کے تمام مزعومہ خطرات دور ہو جائیں۔ وہ دنیا میں کسی گوشہ کو اپنی آرزوؤں کا کعبۂ مقصود اور کسی جائے پناہ کو اپنا مامن

ملجا نہ بنالئے۔ وہ ایک کا ہو کر (جو فی الحقیقت اس کا سزاوار ہے تاکہ خوف و امید کے حالتوں میں انسانی قلوب کا مرجع و ماویٰ بن سکے) تمام دنیا سے بے نیاز ہو جائے۔ اس نے خوف و حزن دور کرنے کے لئے افواج قاہ کے اجتماع اور بروج مشیدہ کی تعمیر کو ہی کافی نہیں سمجھا کیونکہ یہ تمام مادی جسم انسانی کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ بلکہ ان اسباب کو ثانوی چیز قرار دیا۔ اور اولین ضرورت اس قلب کی حفاظت کی سمجھی کہ جس کے بدل جانے سے ہر ایک چیز کا رنگ بدل جاتا ہے۔ اس نے فرمادیا کہ

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ	ہمت نہ ہارو اور رنج نہ کرو تمہیں دنیا میں سب سے
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ (۳ : ۱۳۳)	بلند تر ہو بشرطیکہ (اپنے دل کو خوف من دون اللہ سے
	پاک کر کے) صاحب ایمان ہو جاؤ۔

اسلام نے دنیا سے جسمانی غلامی کی زنجیروں کو ہی نیست و نابود نہیں کیا بلکہ ذہنی غلامی کے ادق و سلاسل کو بھی کاٹ کر دور پھینک دیا کہ جس میں نسل انسانی مختلف النوع طریقوں سے گرفتار ہو کر اس فضیلت ازلی کو کھو بیٹھی تھی جو ان کے لئے مایہ امتیاز قرار دی گئی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے جس کی رگ و پے میں غلامی سرایت کر چکی تھی۔ دین و دنیا کی اصلاح و سرفرازی کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ فلاح کا وعدہ تو یقینی ہے بشرطیکہ یہ اس نبی امی صلعم کی پیروی کریں جس کی بعثت مبارک کا مقصد منجملہ دیگر مقاصد عالیہ یہ ہے کہ :-

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ	وہ پاکیزہ چیزیں ان کے لئے حلال کرے گا اور ناپاک
وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي	خبائث سے انہیں منع کرے گا۔ اور وہ بوجھ اور زنجیریں
كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ (اعراف ۱۵۷)	جن میں یہ جکڑے ہوئے ہوں گے۔ ان سے انہیں نجات دلائے۔

چنانچہ بعثت نبوی صلعم کے وقت یہود و نصاریٰ کی یہ حالت تھی کہ ان کے احبار و رہبان ان کے دل و دماغ پر اس طرح چھا رہے تھے کہ ان کی اپنی ذہنیتیں بالکل مفلوج ہو کے رہ گئی تھیں۔ قرآن کریم نے صاف

صاف بیان فرما دیا کہ ان مذہبی رہنماؤں کو تم نے اس طرح سے خدا بنا رکھا ہے، یہ صریحاً شرک ہے۔ انھوں نے تمہارے دماغوں پر جو بیجا تسلط جما رکھا ہے یہ محض ان کے ذاتی مفاد کے لئے حیل و مکائد ہیں ان کو الگ کرکے پھینک دو تاکہ تمہاری روحیں نشوونما پاسکیں۔ اور آزادی کی فضا میں سانس لے کر اپنے اندر قوت تمیز پیدا کر سکیں۔

اسلام اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھا اور اس نے خالص توحید الٰہی کا ایک ایسا بلند مطمح نگاہ سامنے رکھا کہ اس سے قبل دنیا کے کسی گوشہ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے۔ یا دیگر مخلوقات کی عبودیت سے ہی نجات دلائی ہو۔ بلکہ اس نے تو انسان کو خود اپنی خواہشات کا تابع بھی نہیں ہونے دیا۔ فرمایا۔

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۔ (جاثیہ) کیا تم نے اس (راہ گم کردہ) کو بھی دیکھا کہ جس نے خود اپنی خواہشات کو ہی اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ اللہ اکبر اسلام نے کس قدر بلند مقصد پیش نظر رکھا ہے اور غلامی و تعبد کی کس قدر باریک سے باریک اور غیر مرئی و غیر محسوس زنجیروں کو کاٹ کے پھینک دیا ہے گویا دوسروں کی ہوائے نفس کا اتباع تو ایک طرف خود اپنے نفس کی خواہشات کا غلام بننا بھی شرک قرار دے دیا اور اپنے تمام ارادوں اور خواہشوں کو اس بزرگ و بالا ہستی کی مشیت و مرضات کے تحت کر دیا کہ جسے 'خداوند' ہونے کا بجا حق حاصل ہے۔ گویا عبد مومن کا جو قدم دنیا میں اٹھتا ہے یا اس کے دل میں جو ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ کسی مخلوق کے لئے، کسی انسان کے لئے، حتیٰ کہ خود اپنے لئے بھی نہیں۔ بلکہ وہ اس خدا کے لئے ہوتا ہے جس کا یہ اپنے آپ کو بندہ کہتا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ	کہدیجئے کہ میری نماز میری قربانی میری زندگی میری موت
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا	سب اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام عالموں
اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ (۶ : ۱۶۳)	کا پروردگار ہے۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے

اور میں سب سے پہلا اطاعت شعار بندہ ہوں'' اور اگر اس کے ارادے۔ اس کے اعمال اس مطمح نظر کے خلاف ہیں تو وہ شرک ہے۔ توحید نہیں۔

رہ مدہ اقبال را در کعبہ اے شیخ حرم   ہر زمان در آستیں دارد خداوندِ دگر

آج وہ قومیں جو مادی ترقی میں اپنی نظیر نہیں رکھتیں اسی خوفناک غلطی کی وجہ سے کہ انہوں نے اپنی خواہشات نفسانی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ ایسے دردناک عذاب میں مبتلا ہیں کہ انہیں ایک لمحے کے لئے بھی اطمینان قلب نصیب نہیں یہ عذاب

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَہ ہ (۱۰۴)   اللہ کی وہ آگ ہے جس کے شعلے دلوں کو لپیٹ لیتے ہیں۔

یہ ہے وہ شرک کہ جس سے اسلام نے اس شدت سے منع فرمایا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی گناہ ہو بھی نہیں سکتا۔ قرآن حکیم نے اس تمام تفصیل کو ایک لفظ کے اندر بند کر کے رکھ دیا ہے فرمایا کہ

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان ۱۳)   واقعی شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

ظلم کے اصلی معنی ہیں تصرف شیٔ فی غیر محلہ۔ یعنی کسی چیز کا بے محل و بیجا استعمال۔ شرک کو ظلم عظیم اس لئے کہا کہ انسانی تخلیق کا مقصد تو یہ تھا کہ انسان تمام موجوداتِ عالم پر حکمرانی کرے اور ایک خدا کا نائب اور بندہ ہو کر اس کی مخلوقات سے خدمت لے۔ تو جو سر حکومت و سرفرازی کے لئے بنایا گیا ہو وہ اگر محکوم کے آگے جھکنے لگ جائے تو اس سے بڑھ کر اس سر کا بے جا و بے محل استعمال اور کیا ہو سکتا ہے۔ شرک سے اجتناب کا مقصد یہ نہیں کہ اگر غیرِ خدا کو خدا کا شریک بنا دیا جائے گا۔ تو اس سے خدا کی خدائی میں ضعف پیدا ہو جانے کا احتمال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غیرِ خدا کے سامنے جھکنا تخلیق انسانی کے مقصد کے خلاف ہے اور اس سے انسانی خودداری کی شکست لازم آتی ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ   ہم نے تو انسان کو سب مخلوقات سے بہتر پیدا کیا۔ اور یہ
ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ (۹۵)۔   بدبخت اپنے اعمال کی بدولت ذلیل سے ذلیل بننے کی کوشش کرتا رہتا ہے